حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد ساجد کھجناروی

مدیر ماہنامہ صدائے حق، گنگوہ
استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ، انڈیا

خوش فکر اہلِ زبان وقلم

عالمِ انسانیت کو پاؤں تلے روندنے والے کرونا وائرس کے بارے میں ڈبلیو ایچ او کا تازہ بیانیہ گرچہ تسلی آمیز ہے، لیکن پھر سے کئی ممالک میں اس کے پاؤں پسارنے یا تیسری لہر کی متوقع آمد سے عالمی منظر نامہ پر تشویش کا ماحول فطری بات ہے، کرونا وبا کا یہ عالمی کھیل آسمانی ہے یا زمینی، وہ ربِ قدیر ہی بہتر جانتا ہے، جس کے دستِ تصرف وعلمِ یقینی سے کائنات کی ادنیٰ شے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اس موذی وبا نے اقتصاد ومعیشت اور سیاست وسماج کے دھارے ہی نہیں بدلے، بلکہ انسانی بستیوں پر بھی جو شبِ خون مارا ہے، وہ ہماری بے ثبات زندگی کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے کیسے کیسے چمکتے دمکتے چہرے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، ان میں انسانیت کا دم بھرنے والے بھی تھے اور نفرت کے سوداگر بھی، اپنے حقیقی رب سے لو لگانے والے بھی تھے اور متھرا وکاشی کا گن گانے والے بدعقیدہ لوگ بھی، میدانِ علم ودانش کے راہی بھی ان میں تھے اور قلم وکتاب کے بے تکان مسافر بھی۔ اب موت اچھے اور برے لوگوں میں فرق بھی کرے تو کیوں کرے کہ فاطرِ کائنات کے حکم سے عدول اس کا شیوہ ہے، نہ اختیار، اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت

افسوس صد افسوس کہ اس کرونائی عہد میں ہم سب کے مخدوم ومحترم استاذ الاساتذہ عربی زبان وادب کے عبقری معلم، قلم وکتاب کے عاشق، دو درجن سے زائد اہم عربی واردو کتابوں کے

نیک نام مصنف، مدیر ماہ نامہ ''الداعي'' و استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی رحمۃ اللہ علیہ بھی طویل علالت کے بعد بیس رمضان المبارک ۱۴۴۲ ہجری مطابق ۳ مئی ۲۰۲۱ء دوشنبہ کو کاروانِ رفتگاں میں شامل ہو گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيئ عندهٗ بأجل مسمّٰى۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اِک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

اسی روز شام کو اِحاطۂ مولسری میں حضرۃ الاستاذ مولانا سید ارشد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ایک جم غفیر کی موجودگی میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، جس کے بعد مزارِ قاسمی میں آپ کو منوں مٹی کے نیچے راحت کی نیند سلا دیا گیا، سقى الله ثراه وجعل الجنة مثواه۔ حضرت مولانا نور عالم امینی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کسی خاندان، محدود جماعت یا ایک طبقہ کا معمولی نقصان نہیں ہے، جس پر چند آنسوؤں کا ٹپکنا سامانِ تسلی فراہم کرنے والا ہو، درحقیقت وہ تو ایسے سالار قافلہ تھے جن کا قلمی سرمایہ عالم اسلامی کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور صہیونیت زدہ ماحول میں دلیل راہ فراہم کرنے میں شاہ کلید بن سکتا ہے۔

مولانا امینیؒ کی نظر اس حوالہ سے بڑی آفاقی تھی، وہ عالمِ عرب پر نگاہ رکھنے کے ساتھ مغربی قیادت کی دسیسہ کاریوں کا نقاب اُلٹنے میں فرزانگی سے کام لیتے تھے۔ مشرقِ وسطیٰ کے تناظر میں ان کی تحریریں دیکھئے، جس دردمندی، عالی حوصلگی اور راست معلومات بہم پہنچانے کے لیے انہوں نے مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کے لیے اپنا خونِ جگر صرف کیا ہے اور بار بار اُمتِ مسلمہ کے ضمیر پر اپنے قلم سے دستک دینے کی کوشش کی ہے، اس سے آپ کی مؤمنانہ شان اور جذبۂ دروں کی عکاسی ہوتی ہے۔

''فلسطین کسی صلاح الدین ایوبی کے انتظار میں'' نامی کتاب قبلۂ اوّل سے آپ کے والہانہ لگاؤ اور غاصب اسرائیلیوں سے دوبدو ہونے کی داستانِ حمیت وغیرت ہی تو ہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے عربی صحافتی ترجمان ''الداعي'' کے صفحات پر عالمِ اسلام کو درپیش تحدیات ومسائل کا راست بینی سے تحلیل وتجزیہ پیش فرماتے رہتے تھے، جبکہ ضروری مضامین کو اُردو کے قالب میں ڈھال کر بہت سے اخبارات ورسائل میں اشاعت کے لیے بھیجتے، ان شذرات کے مطالعہ سے مولانا امینیؒ کا فکری منطقہ مزید روشن ہو کر سامنے آتا۔ حضرت مولانا کی شخصیت فی الجملہ ہشت پہل تھی، واقعی وہ حسنات کا خوب صورت گلدستہ تھے جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی، جب وہ مسندِ تدریس پر متمکن ہوتے تو ایک کامل استاذ اور دلوں کو مسخر کرنے والے شفیق رہنما لگتے۔

مولانا سے براہِ راست پڑھنے والے ہمارے بعض ذہین ساتھیوں کا بیان ہے کہ استاذِ محترم کتاب نہیں، فن پڑھاتے تھے۔ ان کی عقابی نگاہیں درس گاہ کے ہر طالب علم کو چوکنا بلکہ اپنے سے مربوط رکھتیں، کیا مجال کہ بے پرواہ طالب علم بھی آنکھ مچولی کا حوصلہ کر پاتا، درست عبارت پڑھنے اور سننے پر فوکس رہتا۔ عبارت میں درآئے اسماء افعال اور صلات وغیرہ کی خوب چھان پھٹک ہوتی۔

صرف ونحو کے قواعد، جملوں کے اُلٹ پھیر اور تعبیرات کی وسعت و جمالیات اور محلِ استعمال پر سیر حاصل گفتگو ہوتی۔ مضمون کی تفہیم وتشریح بھی ایسی کہ بات ہر کسی کے پلے پڑ جائے۔ طلبہ کی نفسیات کا بھی پورا ادراک رہتا، جلال و جمال کی مشترکہ ادائیں مخاطبین پر سایہ فگن، جس سے حضرت الاستاذ کی عظمت کا احساس ہر وقت تازہ رہتا۔ سچ پوچھیے تو ان کمالات نے مولانا امینیؒ کو محبوبیت کا لباس پہنا رکھا تھا، اسی لیے کچھ پانے والے حقیقی طلبہ انہیں ٹوٹ کر چاہتے تھے اور آپ کے نخروں کو شوق سے جھیلتے۔

آپ سن ۱۹۸۲ء میں بحیثیت استاذِ عربی دارالعلوم دیوبند وارد ہوئے اور پہلے دن سے دارالعلوم میں عربی زبان وتکلم کے اس ماحول کو پروان چڑھانے کے لیے کوشاں رہے، جو آپ کے مربی استاذ حضرت مولانا وحیدالزماں قاسمی کیرانوی نے شب و روز کی جان توڑ محنت سے بنایا تھا۔ خود مولانا امینیؒ بھی حضرت مولانا کیرانویؒ کے دست گرفتہ اور ان کے خوابوں کی تعبیر تھے۔ ''وہ کوہِ کَن کی بات'' نامی کتاب لکھ کر حضرت مولانا امینیؒ نے اپنے استاذ مذکور کو شاندار خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور احسان شناسی کا فریضہ بھی نبھایا ہے۔

مولانا نور عالم خلیل امینیؒ کی سیرت وشخصیت کے کئی پہلوؤں پر ایجابی گفتگو ہوسکتی ہے، سرِدست ہم نے آپ کی زبان وقلم کا اجمالی سا تذکرہ چھیڑا تھا، کوئی شبہ نہیں کہ وہ ادیبِ عصر، مفکرِ زماں اور صاحبِ اسلوب اہلِ قلم صحافی تھے، انہوں نے کئی موضوعات پر لکھا ہے اور دیدہ ریزی سے لکھا ہے، دین وملت کے نازک مسائل ہوں یا مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی احوال، خواص سے گفتگو ہو یا عوامی پلیٹ فارم پر کہی جانے والی بات، مولانا کی تحریروں میں سب کچھ ملتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، وافی شافی اور تفصیل سے لکھا ہے۔

فکر وعقیدہ کے ابواب تک انہوں نے دردمندی سے لکھا ہے، مثال کے طور پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ لوگوں کے دل شکستہ یا بیزار ہوتے ہیں، جو یقیناً بدبختی کی علامت ہے، مولانا نے ''صحابۂ رسول اسلام کی نظر میں'' کے عنوان سے کتاب لکھ کر بیمار دلوں کو شفا کا علاج فراہم کیا ہے، جس سے آپ کے فکر ونظر کی طہارت کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا کے کارہائے نمایاں میں اعلام وشخصیات پر لکھے خاکوں کا تذکرہ ہمیشہ تازہ رہے گا۔ ''رفتگانِ نارفتہ'' تو غالباً ابھی اشاعت کی منتظر ہے، لیکن ''پسِ مرگ زندہ'' کو بارہا دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ حضرت مولانا کی جن مشاہیر شخصیات سے رسم وراہ رہی ہے یا اُن کو دیکھا اور برتا ہے، اُن کے تذکرہ وسوانح اور نقوشِ زندگی کو تحریر کے قالب میں کچھ اس طرح ڈھالا ہے کہ واقعی وہ ''پسِ مرگ'' بھی ''جاوید'' ہوگئے ہیں۔

مولانا نور عالم امینی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اسی وقت کانوں میں پڑا جب ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینے کے بعد اس کی پرکیف فضاؤں میں سانس لینے کے مواقع میسر آئے۔ درسِ نظامی کے پہلے ہی سال نصاب میں داخل آپ کی کتاب ''مفتاح العربیہ (اوّل/دوم)'' متعلقہ استاذ نے بہت شوق سے پڑھائی اور مولانا امینیؒ کے فکر وفن کا بارہا تذکرہ کرکے ان کی محبت کا جام سا پلا دیا۔

دارالعلوم کے دس سالہ قیام میں انہیں قریب وبعید سے ضرور دیکھا، مگر باضابطہ ملاقات کی کوئی تقریب نہ ہوسکی، جس میں میری غفلت اور کم آمیزی ہی دخیل رہی۔ فراغت کے بعد جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں تقرر ہوا اور ماہ نامہ صدائے حق کے ادارتی صفحات لکھنے کی نوبت آئی تو یہیں سے مولانا امینیؒ کی توجہ بھی حاصل ہوئی، چنانچہ گنگوہ میں کچھ تدریسی زمانہ گزرنے کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی تو نام سنتے ہی بہت خوش ہوئے اور بے تکلفی کے ساتھ جامعہ اشرف العلوم رشیدی اور ذمہ دارانِ مدرسہ بالخصوص اس کے بانی حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا اچھے انداز میں تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ میں حضرۃ الاستاذ مولانا کیرانویؒ کے ساتھ کئی مرتبہ وہاں جاچکا ہوں اور یہ کہ قاری صاحب مرحوم خالص تعلیم وتربیت کا ستھرا ذوق رکھنے والے باہمت انسان تھے۔

حضرت مولانا امینیؒ نے ''پسِ مرگ زندہ'' میں بھی قاری صاحب کا تعزیتی شذرہ لکھتے ہوئے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اُدھر قریب کی ملاقاتوں میں آپ کی شفقتوں کا احساس ماسوا ہونے لگا تھا اور مولانا بھی جامعہ اشرف العلوم میں اپنی آمد چاہتے تھے، جس کے لیے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی نے درخواست بھی گزار رکھی تھی، مگر لاک ڈاؤن کا سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا کہ آپ کی تشریف آوری ممکن نہ ہوسکی، ''وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا''۔

اب مولانا امینیؒ کی یادیں اور باتیں ہی باقی رہ گئی ہیں، رحمه الله رحمةً واسعةً.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....